قرنِ چہارم و پنجم ہجری کی مشہور تفاسیر اور مفسرین [1]

پروفیسر رشید احمد ارشد ایم اے۔ شعبۂ عربی، جامعہ کراچی

صحابۂ کرام اور تابعین کے دور میں جو تفسیری سرمایہ مدوّن ہوا تھا، ان سب کو علامہ طبری نے اپنی ضخیم تفسیر طبری میں جمع کر لیا تھا۔ ہم نے ان کے اس شاندار تفسیری کارنامے کی تفصیلات ایک علیحدہ اور مستقل مقالہ میں تحریر کی ہیں[2]۔

علامہ طبری تیسری صدی ہجری کے لاثانی اور عظیم ترین مفسر تھے۔ بعد کے مفسرین انہی کے خوشہ چیں ہوئے۔ تیسری صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین نے کتب حدیث کی طرح تفسیری روایات کتابی صورت میں مرتب کیں۔ اس قسم کے محدثین میں سے، جنھوں نے علیحدہ کتب تفسیر لکھی تھیں، مندرجہ ذیل کے اسمار گرامی زیادہ مشہور رہیں:۔

(۱) شیخ اسحاق بن راہویہ۔ متوفی ۲۳۸ھ۔

(۲) شیخ ابوبکر بن شیبہ متوفی ۲۳۵ھ۔

(۳) شیخ عثمان بن ابو شیبہ متوفی ۲۳۹ھ۔

---

[1] یہ مقالہ پندرھویں پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کراچی کے لئے لکھا گیا اور پڑھا گیا۔

[2] ملاحظہ ہو شمارہ فروری ۶۵ء مجلہ دار العلوم دیوبند (ہند)، نیز اس سلسلے کے یہ مقالات بھی ملاحظہ کئے جائیں۔ (۱) قرنِ اوّل کے مفسرین شمارہ فروری ۶۴ء "الرحیم" حیدرآباد (سندھ) (۲) عہد تابعین کی تفسیری خدمات شمارہ اکتوبر ۱۹۶۴ء "بینات" کراچی۔

(۴) امام ابوعبداللہ ابن ماجہ قزوینی (جن کی کتاب سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں شامل ہے) متوفی ۲۷۵ھ۔

(۵) شیخ عبد بن حمید متوفی ۲۴۹ھ۔

(۶) شیخ عبدالرزاق صنعانی متوفی ۲۱۱ھ۔

(۷) محمد بن یوسف فریابی متوفی ۲۱۲ھ

ان حضرات کے تفسیری مجموعے نایاب ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں بھی بعض مشہور محدثین نے تفسیری روایات کے مجموعے مرتب کئے تھے۔ ان میں سے بعض ضخیم اور مکمل تفاسیر بھی تھیں ورنہ بالعموم مذکورہ بالا حضرات کے تفسیری مجموعوں میں قرآن کریم کی ترتیب کے ساتھ ہر آیت کی مکمل تفسیر و تشریح نہیں ہوتی تھی بلکہ چند آیات یا ان کے مشکل الفاظ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام و تابعین کی روایات نقل کردی جاتی تھیں جیسا کہ صحیح بخاری کا باب التفسیر ہے۔ تفسیر طبری کے علاوہ دیگر محدثین اور مفسرین نے چوتھی صدی ہجری میں ضخیم تفاسیر لکھیں اور اس طرح مکمل تفسیر کا آغاز کیا مگر ان کی کتابیں نایاب ہیں۔ صرف تذکروں میں ان کے اسماء مذکور ہیں مثلاً علم حدیث و اسماء الرجال کے مشہور ماہر و نقاد شیخ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کی تفسیر چار ضخیم جلدوں میں تھی۔ چونکہ علم حدیث کی روایات کے آپ زبردست نقاد تھے، اس لئے آپ نے تفسیری روایات بھی اعلیٰ اسناد کی نقل کی تھیں۔

شیخ ابوالقاسم اصبہانی کی تفسیر تیس ۳۰ جلدوں میں تھی۔ شیخ ابوحفص بن شاہین متوفی ۳۸۵ھ کی تفسیر بھی تیس ۳۰ جلدوں میں تھی۔ بعض محدثین نے قدیم زمانے میں اس کا نسخہ تیس ۳۰ جلدوں میں بمقام واسط دیکھا تھا، اس کے ایک ہزار اجزاء تھے۔

شیخ بقی بن مخلد اندلس کے مفسر اعظم تھے۔ مشہور اندلسی عالم ابن حزم لکھتے ہیں:

"اسلامی دور میں ان کی تفسیر سے بہتر کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی بلکہ تفسیر ابن جریر طبری بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔"[1]

---

[1] صفحہ ۶۵ الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر کتانی مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی سنہ ۱۹۶۰ء

حافظ حدیث، ابوبکر احمد بن موسیٰ مردویہ اصفہانی کی تفسیر، اگرچہ تفسیری روایات کا مجموعہ تھی۔ تاہم اس دور کی مشہور تفاسیر میں شامل تھی۔ مشہور عالم و مصنف شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم المعروف بہ ابن المنذر نیشاپوری بھی چوتھی صدی کے آغاز میں بہت بڑے مفسر تھے آپ کی وفات مکہ معظمہ میں ۳۱۸ھ میں ہوئی۔ شیخ ابوبکر محمد بن الحسن النقاش موصلی بھی اس دور کے مشہور مفسر تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد موصل کے رہنے والے تھے، مگر آپ کی پیدائش بغداد میں ہوئی اور یہیں آپ نے نشو و نما پائی۔ ابتدائی عمر میں آپ عمارتوں کی چھتوں اور دیواروں پر نقش و نگار کرتے تھے، اس لئے النقاش کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کی تفسیر کا نام شفاء الصدور ہے مگر یہ تفسیر اہل علم کے طبقے میں مقبول نہیں ہو سکی کیونکہ اس میں بہت سی موضوع احادیث و روایات مذکور تھیں، چنانچہ مشہور عالم ابوالقاسم لالکائی تحریر فرماتے ہیں:۔

> "نقاش کی تفسیر "شفاء الصدور" (سینوں کی شفا) نہیں ہے بلکہ یہ سینوں کی بدبختی (یعنی شقاء الصدور) ہے۔ نقادانِ حدیث، شیخ ذہبی اور برقانی دونوں یہی لکھتے ہیں کہ ان کی تفسیر میں موضوع اور غیر معتبر روایات موجود ہیں اور ان کی تفسیر صحیح حدیث سے خالی ہے"[1]

آپ کی وفات ۳۵۰ھ میں ہوئی۔

چوتھی صدی ہجری کی مذکورہ بالا کتب تفسیر نایاب ہیں۔ البتہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کی بعض مشہور کتب تفاسیر دستبرد زمانہ سے بچ گئی ہیں، ان میں سے بعض زیور طبع سے آراستہ بھی ہو گئی ہیں لہٰذا مندرجہ ذیل تفاسیر کی اجمالی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں اور ان کے مفسروں کے مختصر حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

(۱) تفسیر بحر العلوم از علامہ ابو اللیث سمرقندی (۲) تفسیر ثعلبی نیشاپوری (۳) تفسیر محی السنہ امام بغوی۔ (۴) تفسیر واحدی (۵) تفسیر ابن عطیہ۔

ان حضرات کو مذکورہ بالا تفاسیر لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ تفسیر ابن جریر طبری اور دیگر قدیم تفاسیر بہت ضخیم اور طویل ہو گئی تھیں کیونکہ انھوں نے قرآنی آیات کی تفسیر میں تمام

---

[1] الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر کتانی مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی صفحہ ۶۶ بحوالہ میزان الاعتدال از ذہبی و تاریخ ابن خلکان۔

روایات مکمل اسناد کے ساتھ جمع کردی تھیں لہٰذا تمام راویوں کو ایک روایت میں مکمل اسناد کے ساتھ بیان کرنے اور ایک ہی آیت کی تفسیر و توضیح میں دس پندرہ روایات جمع کرنے کی وجہ سے قدیم تفاسیر کی ضخامت بہت بڑھ گئی تھی ایسی صورت میں عوام اور طلبہ کے لئے ان کا مطالعہ کرنا اور انھیں ذاتی استفادے کے لئے نقل کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا، نیز مختلف اور بعض اوقات متضاد روایات کی وجہ سے تمام قارئین کو مختلف روایات کا محاکمہ کرنے اور کسی ایک روایت کو ترجیح دینے میں بہت دقت پیش آتی تھی، لہٰذا بعد کے مفسرین نے بزعم خود، افادۂ عام وخاص کو ملحوظ رکھتے ہوئے، قدیم تفاسیر کی بہ نسبت، مختصر اور واضح کتب تفاسیر تحریر کیں۔ انھوں نے اندازِ بیان کو بھی سلیس اور دلکش بنانے کی کوشش کی اور ضخامت کو کم کرنے کے لئے انھوں نے راوی اوّل کے علاوہ سلسلۂ اسناد کے دیگر تمام راویوں کے نام حذف کر دیتے اور اس کے ساتھ انھوں نے ایک ہی موضوع پر کمزور اور ناقابل ترجیح روایات کو حذف کرنے کی کوشش بھی کی تاکہ طلبہ اور دیگر قارئین اسناد اور مختلف روایات کے گورکھ دھندے سے نکل سکیں اور انھیں اصل تفسیر کے مضمون سے دلچسپی پیدا ہو۔

قدیم ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے ہم تفسیر بحر العلوم از علاّمہ ابو اللیث سمرقندی کا تذکرہ کریں گے۔

تفسیر بحر العلوم از ابو اللیث سمرقندی

اس تفسیر کے مؤلف شیخ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی ہیں جو امام الہدیٰ کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ بڑے عابد و زاہد اور حنفی فقیہ تھے۔ ان کے بزرگانہ ارشادات و اقوال بہت مشہور ہیں۔ مذکورہ بالا تفسیر کے علاوہ ان کی تصانیف میں تنبیہ الغافلین اور البستان بہت مقبول ہیں ان کی وفات ۳۷۳ھ میں اور بقول بعض ۳۷۵ھ میں ہوئی[۱]۔

تذکرۂ کتب کی مشہور کتاب، کشف الظنون میں ان کی تفسیر کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے مشہور عمدہ اور مفید تفسیر کہا گیا ہے اور یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ اس تفسیر کی احادیث کی تخریج شیخ زین العابدین قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی ۸۵۴ھ نے کی ہے[۲]۔

---

[۱] طبقات المفسرین از داؤدی صفحہ ۳۲۷ [۲] کشف الظنون از چلپی جلد اوّل صفحہ ۲۳۴

یہ تفسیر ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ تین جلدوں میں دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ اس کے مزید دو مخطوطات مکتبۂ ازہریہ میں بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ وہاں اس کا ایک نسخۂ مخطوطہ دو جلدوں میں اور دوسرا نسخۂ مخطوطہ تین جلدوں میں ہے۔

اس تفسیر کے ابتدائی باب میں مؤلف نے علم تفسیر کے فضائل اور خوبیاں بیان کی ہیں اور اس کی تعلیمی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ انھوں نے اپنے بیانات کے ثبوت میں بزرگان سلف کے مستند اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ اس کے بعد مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب تک کوئی شخص زبان عربی اور قرآن کریم کے شانِ نزول سے اچھی طرح واقف نہ ہو، اسے یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرے۔ لہٰذا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے علم تفسیر کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔

یہ کتاب تفسیر ماثور پر مبنی ہے۔ اس میں صحابہ کرام اور تابعین کی تفسیری روایات نقل کی گئی ہیں۔ مگر یہ روایات بالعموم بلا اسناد ہیں۔ نیز مفسّر موصوف مختلف اور متضاد تفسیری روایات بیان کرنے کے بعد کسی ایک روایت کو ترجیح نہیں دیتے ہیں اور نہ مختلف روایات کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے برخلاف مفسرِ اعظم طبری، مختلف روایات کو بیان کرنے کے بعد ان پر محاکمہ کرتے ہیں اور کسی ایک روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر شیخ ابو اللیث سمرقندی کی تفسیر میں شاذ و نادر ہی ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

مفسّر موصوف بعض اوقات دوسری آیات کی مدد سے قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہیں اور کبھی کبھی آیات کی تفسیر میں لغت کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور حسب ضرورت وہ اسرائیلی قصے بھی بیان کرتے ہیں مگر ان پر کوئی تنقید نہیں کرتے ہیں۔ تاہم ایسے قصے بہت کم ہیں۔ مؤلف موصوف کبھی کبھی ضعیف راویوں کی روایت بھی قبول کر لیتے ہیں مثلاً وہ کلبی اور سدی سے اسباط کی روایات نقل کرتے ہیں حالانکہ یہ ضعیف سلسلۂ روایت ہے۔

ان خامیوں کے باوجود اس تفسیر میں بعض خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس تفسیر میں نظمِ قرآنی کے بعض ظاہری اشکالات کو دفع کیا گیا ہے۔ نیز مؤلف موصوف نے حسب موقع بعض معترضین کے ان اعتراضوں کے جوابات بھی دیئے ہیں کہ قرآن کریم کی بعض آیات

میں تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اس مفروضہ تضاد اور اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے موقعوں پر انھوں نے تفسیر بالروایت کے ساتھ درایت سے بھی کام لیا ہے تاہم تفسیر ماثور و منقول کا عنصر عقلی تفسیر کے عنصر پر غالب ہے۔[۱]

تفسیر ثعلبی تفسیر ثعلبی کا مکمل نام "الکشف و البیان عن تفسیر القرآن" ہے۔ اس کے مؤلف کا اسم گرامی ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری ہے۔ آپ نہایت خوش الحان واعظ، قاری، حافظ اور مفسر قرآن تھے۔ ابن خلکان آپ کے بارے میں رقم طراز ہے:

"وہ علم تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ انھوں نے ایک بڑی تفسیر لکھی ہے جو دیگر تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔[۲]"

یاقوت حموی معجم الادباء میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ابو اسحاق ثعلبی، جید قاری، مفسر، واعظ، ادیب اور حافظ قرآن تھے۔ انھوں نے اہم تصانیف تحریر کیں جن میں سے ایک تفسیر قرآن بھی ہے جس میں بے نظیر معلومات جمع کر دی گئی ہیں نیز اعراب و قراءت کی مختلف صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔[۳]"

مشہور کتاب "العرائس فی قصص الانبیاء" آپ ہی کی تحریر کردہ ہے۔ اس میں پیغمبروں کے قصے نہایت دلچسپ انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا اردو اور دیگر اسلامی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تصانیف بھی آپ کی تحریر کردہ ہیں۔ آپ نے مشہور مشائخ وقت سے علم حدیث کو حاصل کیا ان میں سے قابلِ ذکر محدثین امام ابو طاہر بن خزیمہ اور ابوبکر مہران المقری ہیں۔ آپ نے بکثرت حدیث کی روایت کی ہے تاہم بعض محدثین آپ کو ثقہ تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ مشہور مفسر ابو الحسن واحدی علم تفسیر میں آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کے بے حد مداح ہیں۔ ثعلبی کی وفات ۴۲۷ھ میں ہوئی۔

---

[۱] التفسیر و المفسرون از محمد حسین ذہبی جلد اول ص ۲۲۵۔۲۲۶ مطبوعہ دار الکتب الحدیثہ قاہرہ ۱۹۶۱ء

[۲] وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد اول ص ۳۷۔۳۸ مطبوعہ مصر۔

[۳] معجم الادباء جلد ۵ ص ۳۷۔

شیخ ثعلبی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں مفسّرین کے مختلف گروہوں کی خصوصیات بیان کی ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ ہر مفسّر کی تفسیر میں کوئی نہ کوئی خامی باقی رہ گئی ہے آپ فرماتے ہیں :

"بعض علماء نے بہت اچھی تفسیریں لکھی ہیں مگر انھوں نے بزرگان سلف کے اقوال میں بعض اہل بدعت کے اقوال بھی شامل کر دیئے ہیں۔ ایسے مفسّرین میں ابوبکر القفّال شامل ہیں۔

"بعض مفسرین نے صرف روایت اور نقل پر اکتفا کیا ہے اور درایت وتنقید سے کوئی کام نہیں لیا ہے۔ اس قسم کے مفسرین میں ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم الحنظلی کا شمار ہے۔ بعض مفسرین تصنیف میں سبقت لے گئے ہیں مگر انھوں نے اپنی کتابوں کو مکرر مضامین اور کثرتِ اسنادِ روایات سے بہت طویل کر دیا ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر طبری کا حال ہے۔

آخر میں ثعلبی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی تفسیر جامع، مختصر اور قابلِ اعتماد نہیں ہے اور ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خرابی ہے اس لئے انھوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تقریباً ایک سَو کتابوں کا خود مطالعہ کر کے اور تین سَو شیوخ سے زبانی روایات حاصل کر کے یہ تفسیر مرتب کی اور اس میں چودہ اقسام کے مضامین کو شامل کیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں مؤلف نے اپنی تفسیری روایات کی مکمّل اسناد بیان کی ہیں نیز ان کتابوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جن میں نامانوس اور مشکل الفاظ اور مختلف قراءت کی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔ مقدمہ کے آخر میں قرآن کریم کے فضائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

تفسیر ثعلبی ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا مکمل نسخہ دُنیا کے کسی کُتب خانے سے دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔ اس کا ناقص مخطوطہ کتب خانہ الازہر مصر میں موجود ہے جو صرف چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی جلد سورۃ الفرقان کے آخر (پارہ ۱۹ کے ربع) پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے کی جلدوں کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا ہے۔ یہ تفسیر سلف صالحین کے طریقے کے مطابق ہے۔ البتہ انھوں نے تفسیری روایات کی مکمل اسناد حذف کر دی ہیں۔ ہر جگہ مکمل اسناد درج کرنے کے بجائے انھوں نے تمام روایات کی مکمل اسناد آغاز کتاب میں درج کر دی ہیں تاکہ بار بار ان کا اعادہ نہ ہو۔

مفسّر موصوف نحوی مسائل کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے الفاظ

کی لغوی اور صرفی تشریح بھی کرتے ہیں اور حسب ضرورت حوالہ کے طور پر عربی اشعار بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب قرآن کریم میں فقہی مسائل واحکام کا تذکرہ آتا ہے تو فقہی احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ائمہ کے اختلافی مسائل کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔

شیخ ثعلبی قصص الانبیاء کی مشہور کتاب کے مؤلف ہیں اس لئے انھوں نے قرآن کریم کے قصوں کی تفصیلات بیان کرنے میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے ایسے عجیب و غریب قصے تحریر کئے ہیں جو دوسری کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ انھیں اسرائیلی قصص انبیاء کے بارے میں اپنے سابق و معاصر مفسرین سے زیادہ معلومات حاصل ہوں کیونکہ انھوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے یہ قصے اسرائیلی ماخذ سے حاصل کئے ہوں گے۔ لہٰذا انھیں تنقید وتبصرہ کے بغیر تفسیر قرآن میں شامل کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے بالخصوص جبکہ وہ قصے خلاف عادت اور خلاف عقل ومذہب ہوں۔

ثعلبی نے سورۃ کہف میں اصحاب کہف کے بارے میں عجیب وغریب قصے تحریر کئے ہیں۔ اس طرح یاجوج وماجوج کے قصے بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ انھیں قصوں کی بدولت ثعلبی کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی تفسیر میں صحیح احادیث وروایات بیان کی ہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ وہ ضعیف روایات بھی نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنی مشہور کتاب الاتقان میں صاف طور پر یہ تحریر کیا ہے:۔

"شیخ ثعلبی سدی صغیر سے بروایت کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس، روایات بیان کرتے ہیں[۱]۔"

تمام محدثین اور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ روایت کا مذکورہ بالا سلسلہ غیر معتبر ہے۔

ثعلبی نے عام مفسرین کی طرح قرآنی سورتوں کے فضائل میں موضوع احادیث کو مستند سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثعلبی نے قصداً ایسا کام نہیں کیا ہے انھیں بکثرت احادیث یاد تھیں مگر وہ ایک نقاد محدث نہیں تھے۔ وہ کھوٹی اور کھری روایات کو اچھی طرح شناخت نہیں

---

[۱] الاتقان از سیوطی جلد دوم صفحہ ۱۸۹۔

کرسکتے تھے کیونکہ وہ راویان حدیث سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔

انہی مذکورہ بالا خامیوں کی وجہ سے بعض علماء نے ان کی اس تفسیر پر نکتہ چینی کی ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب "اصول تفسیر" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ثعلبی بذات خود نیک اور دیندار تھے مگر وہ حدیث کے اچھے نقاد نہ تھے۔ اس لئے انھوں نے کتب تفاسیر میں سے صحیح اور موضوع دونوں قسم کی روایات کو اخذ کر کے نقل کر دیا ہے[1]"

فتاوی ابن تیمیہ میں مذکور ہے:

"امام ابن تیمیہ سے بعض کتب تفسیر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا" واحدی ثعلبی کے شاگرد ہیں۔ وہ عربی زبان کے اپنے استاد سے بڑھ کر عالم ہیں مگر ثعلبی بدعات سے پاک ہیں۔ مگر انھوں نے دوسروں کی تقلید میں بعض ایسی (غیر معتبر) باتوں کو بیان کر دیا ہے۔ ان کی تفسیر اور واحدی کی تفسیر البسیط، الوسیط اور الوجیز (چاروں تفاسیر) نہایت مفید معلومات پر مشتمل ہیں تاہم ان میں غلط اور موضوع روایات کافی تعداد میں درج کی گئی ہیں[2]"

الکتانی اپنے الرسالۃ المستطرفۃ میں مفسر واحدی کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

"واحدی اور ان کے استاد ثعلبی کو علم حدیث میں وسیع معلومات حاصل نہ تھیں۔ اس نے ان دونوں حضرات کی تفاسیر میں اور بالخصوص تفسیر ثعلبی میں بہت سی موضوع احادیث اور جھوٹے قصے مذکور ہیں[3]"

اصل واقعہ یہ ہے کہ ثعلبی بہت دیندار اور عابد و زاہد تھے۔ اپنی ذاتی شرافت و دینداری کی وجہ سے نیز ذکر و شغل میں ہر وقت مشغول رہنے کی وجہ سے وہ رجال حدیث کی طرف توجہ نہ دے سکے، ورنہ وہ گھڑی ہوئی حضرت علی اور اہل بیت کی طرف منسوب ایسی احادیث نہ نقل کرتے جن کے موضوع ہونے کی عام شہرت ہے، اور محدثین نے ایسی روایات بیان کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

---

[1] مقدمہ اصول تفسیر ص ۹ از ابن تیمیہ۔ [2] فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم ص ۱۹۳۔

[3] الرسالۃ المستطرفۃ از کتانی ص ۶۶۔ مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی سنہ ۱۹۶۰ء۔

ہمیں سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ شیخ ثعلبی نے اپنے مقدمہ کتاب میں اکثر کتب تفاسیر پر نکتہ چینی کی ہے اور ان پر غلط روایات نقل کرنے کا الزام لگایا ہے یہاں تک کہ انھوں نے تفسیر طبری کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ مگر خود ان کی کتاب کا یہ حال ہے کہ اس میں بھی غلط اور موضوع روایات موجود ہیں۔ انہی احادیث کی وجہ سے شیعوں کے مشہور عالم سید مرتضیٰ علم الھدیٰ انھیں شیعہ کہتے ہیں اور شیعوں کی کتابوں میں ان کی روایات نقل کی جاتی ہیں۔

تفسیر واحدی ثعلبی کے شاگرد رشید ابوالحسن علی بن احمد بن محمد الواحدی نیشاپوری بھی اسی دور کے مشہور مفسر تھے۔ وہ علم نحو کے ماہر اور علوم عربیہ کے بہت بڑے عالم تھے اور ان علوم میں اپنے اُستاد سے بڑھے ہوئے تھے مگر حدیث اور اسماء الرجال کے جیّد عالم نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اُستاد کی طرح موضوع اور صحیح حدیث میں تمیز نہ کر سکے۔ ان کی تفاسیر میں بھی موضوع احادیث اور غلط قصّے موجود ہیں۔ مفسر موصوف کو علم نحو سے بہت دلچسپی تھی لہٰذا انھوں نے اپنی تفاسیر میں قرآنی آیات کے نحوی اختلافات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

واحدی نے تین طرح کی تفاسیر لکھیں۔ طویل تفسیر کا نام البسیط ہے۔ درمیانی درجے کی تفسیر کا نام الوسیط اور مختصر تفسیر کا نام الوجیز ہے۔ انھوں نے تینوں تفاسیر کے مضامین کو ایک کتاب میں جمع کر کے اس کا نام الحاوی رکھا۔

واحدی نے قرآن کریم کے شان نزول پر بھی اسباب النزول کے نام سے ایک کتاب لکھی جو شائع ہو چکی ہے اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

دیگر تفاسیر اسی زمانے میں امام غزالی کے اُستاد امام الحرمین کے والد ماجد ابو محمد عبد اللہ الجوینی المتوفی ۴۳۸ھ نے بھی ایک ضخیم تفسیر لکھی تھی۔

شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم حوفی نحوی المتوفی ۴۳۰ھ نے "البرہان فی تفسیر القرآن" کے نام سے دس جلدوں میں تفسیر لکھی جن میں زیادہ تر اعراب قرآن کے مباحث کا ذکر ہے اور مشکل الفاظ کی توضیح کی گئی ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں تصوّف کے فروغ پانے کی وجہ سے تصوّف کے نقطۂ نظر سے تفاسیر

لکھی جانے لگیں۔ اس قسم کے مفسرین میں ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی نیشاپوری المتوفی سنہ ۴۱۲ھ اور ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری المتوفی سنہ ۴۶۵ھ زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ السلمی مذکور کی تفسیر کی بعض صوفیانہ تاویلات پر علماء نے اعتراضات بھی کئے ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل

معالم التنزیل کے مفسر ابو محمد الحسین بن مسعود الفرآ البغوی الشافعی المحدث ہیں۔ آپ بمقام بغا، جو ہرات اور مرو کے درمیان، خراسان کا ایک گاؤں ہے، پیدا ہوئے اور اس وجہ سے بغوی کہلاتے جانے لگے۔ آپ کا لقب محی السنّۃ ہے۔

آپ نے قاضی حسین سے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دیگر مشائخ حدیث سے مستفید ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ خود بھی حدیث و فقہ کا درس دینے لگے۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی آپ کی شہرت تھی۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کا شمار مشاہیر علمائے شافعیہ میں کیا ہے۔

آپ علم حدیث کی مشہور کتاب المصابیح کے مؤلف ہیں۔ آپ نے مختلف کتب احادیث سے فقہی ابواب پر مشہور احادیث کا انتخاب کیا تھا۔ یہ کتاب تمام بلاد اسلامیہ میں مشہور ہوئی اور داخل نصاب رہی۔

اسی کتاب کو شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی نے نہایت عمدہ ترتیب و تہذیب کے ساتھ مرتب کیا اور اس کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ اس طرح انھوں نے بغوی کے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا کیونکہ مشرقی ممالک اور بالخصوص برصغیر ہند و پاکستان کے تعلیمی اداروں میں یہ کتاب اسی وقت سے داخل نصاب ہے۔ یہ کتاب مکمل اسناد سے خالی ہے تاہم صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتب حدیث میں سے چھ ہزار سے زائد احادیث نبوی کا مجموعہ ہے اور اس میں تمام ضروری اور مشہور احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ آپ کی تفسیر معالم التنزیل بھی بہت مشہور ہوئی۔

آپ نے سنہ ۵۱۰ھ اور بقول بعض سنہ ۵۱۶ھ مطابق سنہ ۱۱۲۲ء بمقام مرو روز اسی سال کی عمر میں وفات پائی[1]۔

صاحب کشف الظنون نے آپ کی تفسیر معالم التنزیل کا ذکر کیا ہے اور اسے متوسط درجے

---

[1] طبقات المفسرین از سیوطی ص ۱۲۔ تاریخ ابن خلکان جلد اوّل ص ۱۴۵، ۱۴۶۔ الطبقات الکبریٰ از ابن السبکی
[illegible]

کی تفسیر قرار دیا ہے۔[1]

مفسر خازن اپنے مقدمہ تفسیر خازن میں معالم التنزیل کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ علم تفسیر میں اعلیٰ درجے کی تصنیف ہے۔ اس میں صحیح اقوال و روایات کو جمع کیا گیا اور غلط روایات سے پرہیز کیا گیا ہے۔ یہ صحیح احادیث نبویہ، شرعی احکام اور گزشتہ لوگوں کے صحیح اور دلچسپ حالات کا مجموعہ ہے۔ اس کا اندازِ بیان نہایت صاف اور واضح ہے۔ دلچسپ عبارت میں نہایت عمدہ نکات بیان کئے گئے ہیں۔"

امام ابن تیمیہ اپنے مقدمہ اصول التفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تفسیر سے زیادہ مختصر ہے تاہم وہ موضوع احادیث اور اہل بدعت کے خیالات سے پاک و صاف ہے۔[2]"

فتاویٰ ابن تیمیہ میں مذکور ہے:

"آپ سے دریافت کیا گیا کہ ذیل کی کتب تفاسیر میں سے کون سی کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہے؟ تفسیر زمخشری، تفسیر قرطبی یا تفسیر بغوی؟

اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"ان تینوں تفاسیر میں سے تفسیر بغوی ہی ایسی کتاب ہے جو ضعیف احادیث اور اہل بدعت کے خیالات سے پاک ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ ثعلبی کی تفسیر کی بہ نسبت مختصر ہے۔ تاہم اس میں موضوع احادیث اور مبتدعانہ خیالات کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ یہ دیگر گمراہ کن مضامین سے بھی پاک و صاف ہے۔[3]"

امام ابن تیمیہ کی شہادت ہمارے نزدیک اس تفسیر کی توثیق و تصدیق کے لئے کافی ہے تاہم کتانی الرسالۃ المستطرفۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس میں (تفسیر معالم التنزیل) بعض ایسے مضامین و حکایات موجود ہیں،

---

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۸۵ [2] مقدمہ اصول التفسیر ص ۱۹۔

[3] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد دوم ص ۱۹۳۔

جنھیں ضعیف یا موضوع کہا جاسکتا ہے[۵]۔"

تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تفسیر بغوی (معالم التنزیل) میں دیگر تفاسیری کتب کی بہ نسبت زیادہ صحیح روایات موجود ہیں اور وہ اکثر علماء کے نزدیک پسندیدہ رہی چنانچہ کئی علماء نے اس تفسیر کا خلاصہ بھی کیا۔ ان میں سے شیخ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن محمد الحسینی المتوفی ۸۷۵ھ کا خلاصہ بہت مشہور ہے نیز علاء الدین علی بن محمد البغدادی المتوفی ۷۴۱ھ کی تفسیر بھی، جو تفسیر خازن کے نام سے مشہور ہے، تفسیر معالم التنزیل کا انتخاب ہے جیسا کہ مفسر خازن نے اپنے مقدمہ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ تفسیر، تفسیر خازن کے ساتھ بھی شائع ہوئی اور تفسیر ابن کثیر کے حاشیے پر بھی مصر میں شائع ہوئی۔

تفسیر بغوی میں آیات کی تفسیر نہایت آسان اور مختصر الفاظ میں کی گئی ہے۔ آیات کی تفسیر میں بزرگان سلف سے جو صحیح روایات منقول ہیں، انھیں صرف سب سے پہلے راوی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے مکمل اسناد نہیں تحریر کی گئی ہیں تاہم مؤلف نے حوالہ اور افادہ عام کے لئے اپنے مقدمہ تفسیر میں اپنے مشہور سلاسل اسناد کو بیان کردیا ہے۔ ان مشہور سلاسل اسناد کے علاوہ جب وہ کسی خاص سلسلہ روایت کے راوی کا قول نقل کرتے ہیں، تو اس وقت وہ اس کی مکمل اسناد تحریر کرتے ہیں۔

امام بغوی کی تفسیر کے مقبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلند پایہ محدث تھے اور اسی وجہ سے وہ اپنی تفسیر میں بھی نہایت صحیح احادیث نقل کرتے ہیں اور غیر معتبر روایات سے پرہیز کرتے ہیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر میں خود اپنے اس اصول کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

> "میں نے آیات کی تفسیر میں یا شرعی احکام کی وضاحت کے لئے صرف صحیح احادیث نقل کی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر سنت نبوی ہی کے ذریعے بہتر طریقے سے ہوسکتی ہے اور شریعت کا دارومدار بھی سنت نبوی پر ہے۔ میں نے صرف انھی احادیث کا حوالہ دیا ہے جو حفاظ اور ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح اور معتبر ہیں۔ اور ایسی غیر معتبر روایات سے پرہیز

---

[۵] الرسالۃ المستطرفۃ مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ص ۶۶۔

کیا ہے جو قرآنی تفسیر کے لیے کسی طرح مناسب نہیں[1]۔

اس تفسیر کی ایک بنیادی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں غیر متعلقہ باتیں نہیں بیان کی گئی ہیں۔ ورنہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مفسرین اپنی دلچسپی کے علوم کے ان غیر متعلقہ مباحث کی تفصیل خواہ مخواہ بیان کرنے لگتے ہیں جن کا آیات کی تفسیر سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، مگر امام بغوی کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ وہ علم نحو و قراءات، بلاغت اور دیگر علوم کے مباحث صرف اسی حد تک بیان کرتے ہیں، جس حد تک ان کا آیات کی تفسیر سے تعلق ہوتا ہے، چنانچہ مفسّر موصوف نے بعض آیات کی تفسیر کے سلسلے میں نحوی مسائل بقدر ضرورت تحریر کئے ہیں اور اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ چند مقامات پر بعض آیات کے اختلاف قراءت کے مسائل بھی چھیڑے گئے ہیں، مگر وہ بھی اعتدال کے ساتھ ہیں۔ قرآن کریم کی نظم و عبارت پر مخالفین نے جو اعتراضات کئے ہیں، مفسّر موصوف نے ان کے جوابات بھی دیتے ہیں تاہم یہ محسوس کیا گیا ہے کہ اختلافی روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد مفسّر موصوف ان پر تنقید و محاکمہ سے کام نہیں لیتے ہیں اور کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کا فرض انجام نہیں دیتے ہیں۔

یہ بھی ملاحظہ کیا گیا ہے کہ مفسّر موصوف بعض دفعہ اسرائیلی روایات بھی نقل کر دیتے ہیں اور ان پر کسی قسم کا اظہار رائے نہیں کرتے ہیں ایسے موقع پر وہ کلبی جیسے ضعیف راویوں کی روایات بھی بلا تامل نقل کرتے ہیں۔ اسی قسم کی روایات پر کتانی نے اعتراض کیا تھا۔ اس کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ تفسیر و مغازی میں محدثین ضعیف راویوں کی روایات قبول کر لیا کرتے تھے کیونکہ قصص و مغازی کی معلومات صحیح راویوں سے ثابت نہیں ہیں اور ان روایات کے علاوہ اور کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہوتا ہے۔

ان معمولی خامیوں کے باوجود، یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت مجموعی۔ امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل، صحت روایات کے لحاظ سے اکثر کتب تفسیر سے بہتر ہے اور اسی وجہ سے اہلِ علم میں مقبول رہی۔

---

[1] تفسیر معالم التنزیل از بغوی جلد اوّل صفحہ ۹۔

تفسیر ابن عطیہ

ابن عطیہ کا مکمل نام و کنیت یہ ہے۔ ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی غرناطی۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۴۸۱ھ ہے۔ آپ نے علم و فضل کے گھرانے میں تربیت حاصل کی۔ آپ کے والد محترم ابوبکر غالب بن عطیہ بہت بڑے عالم اور حافظ حدیث تھے۔ انھوں نے تحصیل علم کے لئے دور دراز کا سفر کیا تھا اور مشہور علماء سے اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ابن عطیہ جوان کے صاحبزادے تھے، اپنے والد محترم کے صحیح جانشین ثابت ہوئے، آپ اپنے زمانے کے مروجہ علوم کے ماہر تھے۔ آپ لغت و ادب کے ماہر اور شاعر بھی تھے۔ آپ نے حدیث کی روایت اپنے والد محترم، نیز ابو علی الغسانی اور صفدی سے کی۔ اس کے بعد آپ خود علم حدیث کا درس دینے لگے اور بہت سے ممتاز علماء نے آپ سے حدیث کا درس لیا۔

آپ اندلس کے شہر المریہ کے قاضی تھے۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد، آپ نے عدل و انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے انصاف کی شہرت دور دراز کے علاقوں تک پہنچ گئی تھی۔ آپ کی وفات مغرب کے ایک مقام لرقہ میں ۵۴۶ھ میں ہوئی۔

ابن فرحون نے اپنی کتاب الدیباج المذہب میں آپ کا شمار مالکی مذہب مشہور علماء میں کیا ہے اور آپ کے حالات تحریر کئے ہیں[1]۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں آپ کو مشہور نحوی علماء میں شامل کیا ہے[2]۔

آپ کی تفسیر کا نام "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" مشہور مفسر ابوحیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط کے مقدمہ میں آپ کی اس تفسیر کو نہایت شاندار تفسیر قرار دیا ہے اور اس کے حسن ترتیب اور صحیح تصنیفانہ انداز کی بجید تعریف کی ہے[3]۔

ابن عطیہ کی یہ تفسیر اندلس اور مغرب کے علمی حلقے میں بہت مقبول ہوئی چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں:۔

---

[1] الدیباج المذہب از ابن فرحون ص ۱۷۴۔

[2] بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ از سیوطی ص ۲۹۵۔

[3] البحر المحیط جلد اول ص ۹ از ابوحیان

"ابن عطیہ کی یہ تفسیر تمام تفاسیر کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ انھوں نے تفسیر ماثور کی صحیح ترین روایات نقل کرنے کی کوشش کی ہے اور انھیں اہلِ مغرب و اندلس کے سامنے عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے[1]۔"

یہ تفسیر مغرب کے علاوہ مشرق میں بھی بہت مقبول ہوئی اور اسے زمخشری کی تفسیر الکشاف کے ہم پلہ بلکہ اس سے بہتر قرار دیا گیا، چنانچہ ابوحیان اپنے مقدمۂ تفسیر میں ان دونوں تفسیروں کا مقابلہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

"ابن عطیہ کی تفسیر زیادہ مکمل و جامع اور زیادہ واضح صداقت پر مبنی ہے اس کے برخلاف زمخشری کی تفسیر بہت ہی مختصر اور مجمل ہے[2]۔"

امام ابن تیمیہ، ابن عطیہ اور زمخشری کی تفسیروں کا مقابلہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ابن عطیہ کی تفسیر، زمخشری کی تفسیر سے بہتر ہے۔ اس کے منقولہ روایات اور مباحث میں، اس سے زیادہ صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ یہ بڑی حد تک مبتدعانہ افکار سے پاک ہے۔ کہیں کہیں غلط افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ تاہم یہ کتاب زمخشری کی تفسیر سے بدرجہا بہتر ہے۔ غالباً کتب تفسیر میں اس کا پلہ سب سے بھاری ہے[3]۔"

امام ابن تیمیہ اس قسم کا موازنہ اپنی اصولِ تفسیر کی کتاب میں بھی اختیار کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

"ابن عطیہ اور ان جیسے حضرات کی تفسیر میں اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کی پابندی کی گئی ہے۔ ابن عطیہ کی تفسیر زمخشری کے بدعتی افکار سے پاک و صاف ہے۔ تاہم اگر ابن عطیہ بزرگان سلف کے اقوال کو، جوں کا توں نقل کر دیتے ہیں تو زیادہ مناسب اور بہتر تھا۔ وہ محمد بن جریر طبری کی تفسیر سے اکثر اقوال نقل کرتے ہیں۔ بلاشک وشبہ تفسیر طبری نہایت جلیل القدر تفسیر ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۹۱

[2] تفسیر البحر المحیط از ابوحیان جلد اوّل ص ۱۰۔

[3] فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم ص ۱۹۴۔

تاہم وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے بعد وہ بزعمِ خود "محققین" کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ ان "محققین" سے ان کی مراد وہ متکلمین ہیں جنھوں نے معتزلہ سے ملتے جلتے اصولوں پر اپنے خیالات و افکار کی بنیاد قائم کی ہے۔ (اس رجحان کے باوجود) ابن عطیہ کے افکار، فرقہ معتزلہ کے بہ نسبت، اہلِ سنّت کے مسلک سے زیادہ قریب ہیں[1]۔"

چونکہ ابن عطیہ بہت بڑے ادیب اور نحوی تھے، اس لئے وہ قرآن کریم کے معانی کی تفسیر و توضیح کے لئے اشعارِ عرب کا بہت حوالہ دیتے ہیں اور تفسیر میں بھی نہایت شیریں اور آسان زبان استعمال کرتے ہیں۔ نحوی مباحث میں بھی وہ اپنی مہارتِ فن کا ثبوت دیتے ہیں نیز مختلف قراءات کے موزوں معانی نکال لیتے ہیں۔

ابن عطیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفسیری روایات زیادہ تر تفسیر طبری سے نقل کرتے ہیں۔ تاہم وہ بعض دیگر کتب تفاسیر سے بھی روایات نقل کرتے ہیں۔ مگر ان روایات کو وہ اندھا دھند تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ جہاں ضرورت سمجھتے ہیں وہاں وہ ان روایات پر تنقید بھی کرتے ہیں اور بعض اوقات ان کی تردید کرتے ہیں۔ اس قسم کی آزادانہ تنقید کی وجہ سے، ان پر معتزلہ کی طرف رمیلان رکھنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ وگرنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ اہل السنت و الجماعت کے مسلک کے پابند ہیں۔ مگر معانی قرآن کریم کی تفسیر و توضیح کرتے وقت، جو مفہوم ان کے خیال میں عقلِ سلیم اور شریعت کے مزاج کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اسے ترجیح دیتے ہیں۔ اسی اصول کی بنا پر بعض اوقات انھوں نے جمہور علماء کے قول سے اختلاف کیا ہے۔

یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ گزشتہ زمانے میں تفسیر ابن عطیہ بہت مقبول اور مشہور رہی مگر موجودہ دور میں وہ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس تفسیر کا مقدمہ بعض مستشرقین کی مساعی جمیلہ کی بدولت شائع ہوگیا ہے مگر اصل تفسیر ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں میں ہے مگر قاہرہ کے دار الکتب المصریہ میں اس کے صرف چار

---

[1] مقدمہ ابن تیمیہ فی اصول التفسیر ص ۲۳۔

حصّے موجود ہیں[1] وہ بھی ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ صرف جلد سوم، پنجم، ہشتم اور دہم موجود ہیں۔ دیگر کتب خانوں میں اس کے مکمّل نسخوں یا باقی جلدوں کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔

ابُوزید عبدالرحمٰن بن محمّد الثعالبی المتوفی ۸۷۶ھ کی تفسیر الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن " بڑی حد تک تفسیر ابن عطیہ کا خلاصہ اور اس سے ماخوذ ہے ان کے علاوہ دیگر مفسّرین نے بھی ان کی تفسیر سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔

★

" ہم نے امام فخرالدّین رازی کی تفسیر پڑھی۔ نیز جاراللہ زمخشری کی کتاب کا مطالعہ کیا۔ اِس کے علاوہ معالم التنزیل از فراء بغوی اور تفسیر حافظ ابن کثیر پڑھی۔ اِن سب تفسیروں کے ذریعے ہم نے قرآن سمجھنے کی اپنی استطاعت کے مطابق پُوری کوشش کی، لیکن سوائے تحیّر کے ہمیں کچھ نصیب نہ ہوا۔ اگر زمانۂ طالب علمی میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند سے چند آیتوں کی تفسیر جو کتابوں میں نہیں ملتی، نہ سُنی ہوتی اور ہمارے لئے وہ اطمینان کا ذریعہ نہ بنتی، نیز شیخ الاسلام مولانا محمّد قاسم نانوتوی کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے، تو قدماء کی ان تفسیروں کو پڑھ کر ہم علم تفسیر کے حصول سے قطعاً مایوس ہو جاتے۔ بے شک ہم اِس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں نے انہی کتابوں کی مدد سے قرآن سمجھا تھا، اور انہی اُصول و قواعد پر انھوں نے اپنے اجتہاد کے مطابق قرآن کی حکومت قائم کی تھی، لیکن جہاں تک اس زمانے کا تعلق ہے، ہمارے لئے اِس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ناممکن ہے۔"

(مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

---

[1] التفسیر والمفسّرون از محمد حسین ذہبی جلد اوّل ص ۲۴۰ مطبوعہ ۱۹۶۱ء دارالکتب الحدیث قاہرہ مصر۔